AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

عہدِ صحابہ کرامؓ میں آدابِ اختلافات اور ان کا عملی اظہار۔ تحقیقی مطالعہ

"ETIQUETTES OF DISAGREEMENT AND THEIR PRACTICAL MANIFESTATION IN THE ERA OF THE COMPANIONS (RA) – AN ANALYTICAL STUDY"

Abdul Rehman.
Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies,Superior University City Campus Lahore.
Email: aabdulrehmanstars@yahoo.com
Prof. Dr Zahoor Ullah Al-Azhari
Superior University, City Campus, Lahore
zahoor.ullah@superior.edu.pk
Muhammad Farooq Iqbal
Ph.D. Scholar, Corresponding Author, Department of Islamic Studies,
Ghazi University, Dera Ghazi Khan, Pakistan.
frqiqb@gamil.com
ORCID ID: https://orcid.org/0009-0004-9126-3996

Abstract:
Disagreement is a natural phenomenon in any collective intellectual or social endeavor. In Islamic history, the Companions of the Prophet Muhammad (peace be upon him) represent a golden generation in which diversity of opinion was not only tolerated but respectfully managed within the framework of mutual reverence and adherence to Islamic principles. This paper explores the etiquettes of disagreement as practiced by the noble Companions (RA), highlighting key incidents, their reactions, and the moral and jurisprudential foundations of their approach. Through examining various scholarly and historical sources, the study aims to uncover how respectful dialogue, prioritization of unity, and avoidance of personal attacks were hallmarks of their disagreements. The findings of this research can offer valuable guidance in modern contexts of religious, social, and ideological differences..

Keywords: *Companions of the Prophet, disagreement in Islam, etiquette of disagreement, Sahaba, unity in diversity, Islamic ethics, scholarly differences, prophetic tradition, respectful dialogue, Islamic jurisprudence*

تمہید:

اسلام ایک ایسا جامع دین ہے جو نہ صرف عقائد و عبادات کا احاطہ کرتا ہے بلکہ انسانی تعلقات، معاشرت، اور اختلافات کے آداب پر بھی واضح تعلیمات فراہم کرتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں عہدِ صحابہؓ کو ایک مثالی دور تصور کیا جاتا ہے، جہاں فکری اور اجتہادی اختلافات کو احترام، حلم، اور اخلاص کے ساتھ برتا گیا۔ یہ دور اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں قرآن و سنت کی براہِ راست رہنمائی کے زیرِ سایہ، صحابہ کرامؓ نے نہ صرف دینی مسائل پر غور و خوض کیا بلکہ باہم اختلاف رائے کے باوجود اخوت اور محبت کی فضا کو قائم رکھا۔ اس مقالے میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلافات کن اصولوں پر مبنی تھے، ان کا اندازِ گفتگو کیسا تھا، اور انہوں نے کس طرح وحدتِ امت کو مقدم رکھتے ہوئے اختلافات کو سنبھالا۔

اختلافِ رائے کسی بھی علمی، فکری اور تمدنی ترقی کا قدرتی محرک ہے۔ جب آراء دلیل، فہم اور اخلاص کی بنیاد پر قائم ہوں، تو وہ نہ صرف معاشروں کو علمی

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

وسعت عطا کرتی ہیں بلکہ افہام و تفہیم کے دروازے بھی کھولتی ہیں۔اسلامی تہذیب میں اختلافات کو ہمیشہ علمی جدوجہد کے ایک مثبت زاویے سے دیکھا گیا ہے، خاص طور پر ان ادوار میں جب دین اپنی اصل صورت میں نافذ تھا، اور اس کی تعبیر و تفہیم براہِ راست قرآن و سنت کی روشنی میں کی جاتی تھی ان ہی ادوار میں سے ایک عظیم ترین دور، عہدِ صحابہؓ ہے۔

صحابہ کرامؓ وہ برگزیدہ شخصیات تھیں جنہوں نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں تربیت حاصل کی کلام اللہ نے ان کو حزب اللہ کے ٹائٹل سے نوازا ہے ارشاد حق و تقدس ہے:

" اولئک حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون"[1]

"یہ لوگ اللہ کی جماعت ہیں خبردار اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے"

انکے ایمان، نیت اور علم و فہم پر امت کو مکمل اعتماد حاصل ہے اس کے باوجود، ان کے مابین بعض فقہی، اجتہادی اور عملی مسائل میں اختلافات پیدا ہوئے، جو نہ صرف ان کے علمی استقلال کا ثبوت تھے بلکہ امتِ مسلمہ کے لیے وسعتِ نظر اور گہرائی فکر کا سرمایہ بھی ثابت ہوئے۔ مگر ان اختلافات کی سب سے امتیازی خصوصیت ان کا اخلاقی دائرے میں محدود رہنا تھا۔ان میں نہ ضد شامل تھی، نہ کینہ، نہ نفرت، نہ تکفیر، نہ تضحیک۔ یہی وہ امتیاز ہے جو عہدِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اختلافات کو آج کے اختلافات سے ممتاز اور رہنما بناتا ہے جس طرح انبیاء کی شریعتیں الگ الگ رہی ہیں، فروعی مسائل میں ہر مجتہد کی رائیں مختلف ہوئی ہیں، کسی کو باطل نہیں کہا جاسکتا، اس قسم کا اختلاف امت کی آسانی کے لیے ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا جملہ بہت ہی وقعت رکھتا ہے:

ما يسرّني لو أن أصحاب محمد لم يختلفوا؛ لأنهم لو لم يختلفوا لم تكن رخصة[2]

عہدِ صحابہؓ میں اختلافات کی نوعیت، اسباب اور آداب پر تحقیق کرنا عصرِ حاضر میں نہایت اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ موجودہ زمانے میں امت جن فکری خلفشار، شدت پسندی، اور گروہی تعصبات کا شکار ہے، ان کی بڑی وجہ اختلاف کو اخلاقیات سے خالی کرنا اور علمی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ایسے میں صحابہ کرامؓ کا طرزِ اختلاف ہمارے لیے ایک منہج اصلاح، ماڈلِ اعتدال اور اصولِ وحدت مہیا کرتا ہے۔ زیرِ نظر تحقیق کا مقصد اسی زریں عہد کے اختلافات کا تجزیاتی مطالعہ کرنا ہے، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ:

رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اسلام کا جو تاریخی مرحلہ شروع ہوا، وہ عہدِ صحابہ کہلاتا ہے، جو تقریباً پہلی صدی ہجری کے اختتام تک محیط ہے یہ وہ دور ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی صحبت یافتہ جماعت نے اسلام کی رہنمائی، ترویج اور عملی تطبیق کی زمام سنبھالی۔ گو کہ وحی کا نزول ختم ہو چکا تھا اور نبی کریم ﷺ کی براہ راست رہنمائی موجود نہ رہی، مگر آپ کی تربیت سے فیض یافتہ ان ہستیوں نے دین کو اس کے اصل روح کے ساتھ قائم رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

اس دور کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ جب بھی کسی معاملے میں آراء کا اختلاف ہوتا، تو اسے کسی تفرقے یا نزاع کی صورت دینے کے بجائے علمی مکالمے اور اجتہادی بصیرت کے ذریعے سلجھایا جاتا۔ان اختلافات کی جڑیں شریعت کے فہم، قرآن و سنت کے گہرے ادراک، اور مقصدِ دین کی سچی سمجھ میں پیوست تھیں چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین بھی اختلافات موجود تھے اختلاف اول جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وفات میں ہوا3 بعض فقہی مسائل میں اختلاف بھی تھا حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے مابین جیسے کہ تشریع اسلامی کے اکثر تاریخ نگار کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سب سے زیادہ متاثر تھے۔ان دونوں حضرات کا اجتہاد کبھی یکساں ہوتا تھا اور فقہی مسائل میں آپ سیّدنا عمر کی رائے کی طرف رجوع بھی کر لیتے تھے۔ جیسے دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو بھی تیسرے اور پھر چھٹے حصہ کی تقسیم کے مسئلہ میں آپ نے کیا۔ [4] اور کبھی اختلاف بھی کرتے تھے چنانچہ بہت سے مسائل میں ان دونوں کا اختلاف بھی تھا۔ جیسے سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان کر لیتے تھے اور گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے۔اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے انت علی حرام...تم مجھ پر حرام

[1] المجادلہ:22
[2] جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر:7/78
[3] سنن ابن ماجہ/کتاب الجنائز/حدیث:1627
[4] الاحکام:۱/۶۱

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ہو۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ فرماتے کہ یہ قسم ہے اور آپ فرماتے کہ ایک طلاق ہے... کسی عورت سے کسی شخص نے زنا کیا پھر اس سے شادی کر لی تو سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق وہ جب تک ایک ساتھ رہیں زناکار ہیں اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ پہلے زنا اور بعد کا عمل نکاح سے ہو گا[1] ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان حضرات کے مابین سو مختلف فیہ مسائل تھے ان اختلافات کے باوجود ان دونوں حضرات کی باہمی محبت و مودت کے درمیان تادم زیست کمی نہیں دیکھی گئی۔[2]

حضرات صحابہ کرام کے درمیان اختلافات اور پھر جنگوں کے جو حادثات پیش آئے جن کے اسباب و علل کا صحیح علم صرف حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کو ہے اس عالم رستا خیز میں بھی انہوں نے اہل علم و فضل کے مقام و مرتبہ کو فراموش نہ کیا۔ ان عظیم فتنوں میں بھی بزرگوں کے مناقب و مآثر ان کی نظر سے اوجھل نہ ہو سکے... چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں مروان بن حکم نے کہا میں نے علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کریم کسی کو نہ دیکھا۔ جنگ جمل کے روز بھی وہ ہمارے ولی تھے۔ ان کا منادی آواز دیتا تھا: کسی زخمی کو نہ مارا جائے اور نہ اس کا کام تمام کیا جائے[3] جنگ جمل کے بعد عمران بن طلحہ ایک روز سیّدنا علی کے پاس آئے تو انہیں خوش آمدید کہہ کر قریب کرتے ہوئے کہا: میری تمنا ہے کہ مجھے اور آپ کے باپ کو اللہ تعالیٰ ان میں سے بنائے جن کے بارے میں اس رب نے کہا ہے :

وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَo[4]

"اور ان کے سینوں میں جو کینے تھے سب ہم نے کھینچ لیے۔ تختوں پر روبرو بیٹھے وہ آپس میں بھائی ہیں"

علمی اختلافات کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں لیکن شقاق تک نوبت کبھی نہ پہونچی تادم زیست ادب و احترام باقی رہا۔

خلافتِ راشدہ: اجتہاد اور مشاورت کا نمونہ:

عہدِ صحابہ کے ابتدائی دور کو خلافتِ راشدہ کہا جاتا ہے، جہاں خلفائے راشدین اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دین کے عملی اور انتظامی معاملات میں رہنما تھے۔ جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا، تو سب سے پہلے قرآن سے رہنمائی لی جاتی۔ اگر وہاں وضاحت نہ ہوتی، تو سنتِ نبویؐ کا جائزہ لیا جاتا، اور اس کے بعد صحابہ باہم مشورہ کرتے اور متفقہ فیصلے کرتے۔ حضرت ابو بکرؓ سے لے کر حضرت علیؓ تک، تمام خلفائے راشدین نے اس حکیمانہ اصول پر عمل کیا۔ بہت سے صحابہ جیسے حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت معاذؓ اور حضرت عائشہؓ اجتہاد میں مہارت رکھتے تھے اور نئے مسائل پر غور و فکر کے ذریعے رائے قائم کرتے۔ اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے صحابہ نصوص کے ظاہر پر زیادہ زور دیتے تھے اور قیاس و رائے سے احتراز کرتے تھے

خلافتِ راشدہ میں آدابِ اختلاف کے چند نقوش:

1. حضرات صحابہ کرام اختلاف سے حتی الوسعہ اجتناب کرتے تھے اگر اس سے بچنے کی کچھ بھی گنجائش ہوتی تو ان کی پوری کوشش یہی ہوتی کہ باہم اختلاف نہ ہو ۔
2. اختلاف کے جب معقول اسباب ہوتے مثلاً کسی سنت کا علم کسی کو ہے اور کوئی اس سے ناواقف ہے، اس پر عمل کرنا ہو نص یا کسی لفظ کے سمجھنے میں اختلاف ہو تو وہ اپنے حدود سے آگے نہ بڑھتے اور حق بات فوراً قبول کر لیتے نہ ہی اپنی غلطی کے اعتراف میں کوئی سبکی محسوس کرتے۔ اسی طرح علم و فضل اور تفقہ رکھنے والے حضرات کا وہ بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے۔ کوئی اپنے مرتبہ سے آگے نہ بڑھتا اور نہ اپنے کسی بھائی کا حق مارتا۔ ہر ایک کا خیال اور کوشش ہوتی کہ رائے مشترک اور متحد ہی رہے... ہو سکتا ہے اس کا وہ خیال صحیح ہو جو اس کے نزدیک راجح ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے بھائی کی رائے جسے وہ مرجوح سمجھ رہا ہے وہی صحیح ہو۔ یعنی جسے اس نے راجح سمجھ رکھا ہے وہ مرجوح اور جسے مرجوح سمجھ رکھا ہے وہ راجح ہو سکتا ہے۔
3. اپنے درمیان اخوتِ اسلامی کو وہ اسلام کی ایک اہم بنیاد سمجھتے تھے جو اجتہادی مسائل میں اتفاق و اختلاف سے ایک بلند و بالا چیز ہے۔

[1] الاحکام: ۱/۶۱۔
[2] اعلام الموقعین: ۲/۲۱۸۔
[3] حیاۃ الصحابۃ: ۳/۱۲۔
[4] الحجر: ۴۷

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

4. اعتقادی مسائل میں اختلاف نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ صرف فروعی مسائل تک ہی محدود رہتا۔
5. خلافت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرات صحابہ کرام مدینہ طیبہ ہی میں رہا کرتے تھے اور کچھ تھوڑے سے صحابہ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے۔ جہاد کی ضرورت پیش آتی جبھی باہر جاتے اور پھر واپس پلٹ جاتے۔ جس سے آسانی کے ساتھ ان کا اجتماع اور بہت سے مسائل و معاملات میں تبادلۂ خیال اور اجماع بھی ہو جایا کرتا تھا۔
6. حضرات قراء وفقہاء کی حیثیت سیاسی شخصیتوں کی طرح ممتاز و نمایاں تھی اور ہر ایک کا غیر متنازع مقام و مرتبہ ہوا کرتا تھا۔ فقہ کے جس پہلو اور جس گوشے میں زیادہ مہارت ہوتی اسی کے لحاظ سے اس کی شہرت بھی ہوتی۔ ان کی متعین راہیں اور مسالک استنباط بھی واضح ہوتے جن میں آپس میں ضمنی طور پر اتفاق بھی رہتا تھا۔
7. کوئی صحابی کسی کی لغزش پر تنبیہ اور اس کی نشان دہی کرتا تو عیب جوئی یا بے جا تنقید نہیں بلکہ اسے ایک فقہی تعاون سمجھتے اور اس کے مشکور ہوتے۔

اختلافی مسائل کا جائزہ لیتے وقت یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح نظر آتی ہے کہ کسی بھی صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر نفسانیت نہ تھی اور جن اختلافات سے یہ اُصول و آداب سامنے آئے ہیں ان کا داعی بھی صرف حق و صواب کی تلاش و جستجو میں ہے۔ عہد رسالت اور انقطاعِ وحی کے بعد آدابِ اختلاف کے یہ نقوش مُشتے نمونہ از خروارے ہیں۔

اختلاف کی اقسام اور اسباب

حضرات صحابہ کے مابین اختلافات مختلف بنیادوں پر رونما ہوئے:

1. الفاظ کے مختلف مفاہیم:

جیسے طلاق کی عدت سے متعلق قرآنی آیت ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ[1] میں "قروء" کا مفہوم بعض کے نزدیک حیض اور بعض کے نزدیک طُہْر تھا، جس کے نتیجے میں مختلف فقہی آراء سامنے آئیں۔

2. احادیث کے فہم میں فرق:

غزوۂ بنو قریظہ کے موقع پر جب نبی ﷺ نے فرمایا کہ "عصر کی نماز وہاں جا کر پڑھنا" تو بعض صحابہ نے راستے میں نماز ادا کی مفہوم پر غور کرتے ہوئے اور بعض نے بنو قریظہ پہنچ کر نماز ادا کی نبی کریم ﷺ نے دونوں گروہوں کو درست قرار دیا۔[2]

3. اجتہادی نوعیت کے اختلافات:

جب کوئی مسئلہ نصوص میں صراحت سے موجود نہ ہوتا تو صحابہ اپنی بصیرت، قرآن و سنت کے اصول اور شریعت کے مقاصد کی روشنی میں اجتہادی رائے پیش کرتے چنانچہ معاذ بن جبل کو رسالت مآب ﷺ نے اجتہاد کرنے پر انکی حوصلہ افزائی کی

قال: اجتهد رايي، قال: " الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله ﷺ."[3]

تابعین کا دور اور اختلاف کی وسعت:

جب کبار صحابہ وفات پا چکے تھے یا اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں میں مصروفِ عمل ہو گئے تھے، تو دین کی رہنمائی کی ذمہ داری ان کے شاگردوں یعنی تابعین نے سنبھالی۔ مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام جیسے شہروں میں علمی مراکز قائم ہوئے جہاں فقہی سوچ پروان چڑھی۔ اسلامی ریاست کے دائرۂ کار میں توسیع کے ساتھ نئے علاقوں، رسم و رواج اور تمدنی پس منظر سے وابستہ ایسے مسائل سامنے آئے جن کا حل قرآن و حدیث میں براہ راست موجود نہ تھا۔ تابعین نے ان مسائل کے حل میں قیاس، اجماع، مصالح

[1] البقرہ 228
[2] صحيح البخاري/كتاب المغازي/حديث: 4119
[3] سنن ترمذي/كتاب الأحكام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم/حديث: 1327

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مرسلہ اور استحسان جیسے اصولوں کا سہارا لیا۔ یہ اجتہادی عمل ہی بعد میں فقہ اسلامی کے ارتقائی ڈھانچے کی بنیاد بنا۔

اختلاف کے دائرے میں حسنِ اخلاق:

عہدِ صحابہ میں اختلافات کو جس حکمت، نرمی اور وقار سے سنبھالا گیا، وہ بعد کے ہر دور کے لیے ایک نمونہ ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی اس ارشاد گرامی پر تادم زیست عمل پیرا رہے:

إن الرفق لا يكون في شيء إلا زانه، ولا ينزع من شيء إلا شانه [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا "نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اس کو زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز سے بھی نرمی نکال دی جاتی ہے اسے بدصورت کر دیتی ہے۔"

1. رائے کا احترام

مختلف فقہی آراء کو علمی تناظر میں قبول کیا جاتا، کسی پر الزام یا تنقید کا رویہ اپنانے کے بجائے دلیل کی بنیاد پر بات کی جاتی تھی

2. اختلاف صرف فروعی مسائل میں

عقائد یا دین کے بنیادی اصولوں میں اختلاف نہیں تھا؛ صرف عملی اور اجتہادی پہلو زیر بحث آتے تھے۔

3. قرآن وسنت ہی اساس رہے

کسی بھی اختلاف کا آغاز یا اختتام انہی دو بنیادی ماخذ پر ہوتا، اور ان سے تجاوز کرنے کا کوئی تصور نہ تھا۔

4. ادب وانکساری کا رویہ

صحابہ کرام اپنی رائے کو حرفِ آخر نہیں سمجھتے تھے، بلکہ دوسروں کی رائے کا احترام کرتے اور اپنی خطا کا احتمال تسلیم کرتے تھے۔

5. علم وعمل کی تقسیم

فقہ اور حدیث کا امتیاز پیدا ہوا، مگر دونوں میدانوں میں کام کرنے والے ایک دوسرے کے معاون اور ہم نوا رہے۔

رجوع بالحق اور احترامِ رائے:

اسلامی فکر اور فقہ کی بنیاد رکھنے والے صحابہ کرامؓ کا طرزِ اجتہاد، دینی مسائل میں گہرے فہم، اخلاصِ نیت اور اتباعِ سنت پر قائم تھا۔ ان کے درمیان رائے کا اختلاف نہ تو شخصی انا کا اظہار تھا اور نہ ہی اقتدار کی کشمکش، بلکہ یہ اختلافات حق کی تلاش میں فکری اجتہاد کا مظہر تھے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد، جب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، تو دینی مسائل میں اجتہادی کاوشوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ صحابہ کرامؓ نے قرآن وسنت کے فہم میں اختلاف کیا، نصوص کی تعبیر، تخصیص، نسخ یا ثبوت وعدمِ ثبوت کے حوالے سے ایک دوسرے سے علمی اختلاف کیا، اور جب کوئی صریح حکم نہ ملا تو اپنے فہم کے مطابق اجتہاد بھی کیا۔

ان تمام مراحل میں ان کا رویہ خالص علمی، خیر خواہانہ، اور اخلاقی آداب سے مزین رہا۔ وہ اختلاف کو حق کی تلاش کے راستے میں رکاوٹ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اسے ایک ایسا ذریعہ جانتے تھے جس سے دین کے مقاصد کو بہتر انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ کسی بھی اختلاف کو دلیل کے بغیر تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن جب حق واضح ہو جاتا تو عاجزی سے اس کو قبول کر لیتے، اور اپنے سابقہ موقف سے بلا تکلف رجوع کر لیتے چنانچہ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> "ہم لوگ ایک سفر میں تھے ہمارے ایک ہم سفر کے سر پر پتھر لگا پھر اس کو احتلام ہو گیا۔ اپنے ساتھیوں سے اس نے پوچھا کہ کیا میں تیمم کر سکتا ہوں؟ تو سبھوں نے کہا کہ نہیں؟ جب پانی سے وضو کر سکتے ہو تو تیمم کی رخصت نہیں۔ یہ جواب سن کر اس نے غسل کیا جس سے اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور انہیں حادثہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: تم لوگوں نے اسے مار ڈالا۔ اللہ ہلاک کرے۔ تم جب جانتے نہیں تھے تو کیوں نہ پوچھ لیا؟ لاعلمی وجہالت کا علاج تو سوال ہی ہے۔ اسے

[1] صحیح مسلم 2594

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تیمم ہی کافی تھا۔ یا زخم پر ایک ٹکڑا لپیٹ کر اس پر مسح کر لیتا اور بقیہ سارے بدن پر پانی ڈال لیتا"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر علم کے فتویٰ دینے والوں کی زجر و توبیخ فرمائی اور انہیں گویا اپنے بھائی کا قاتل سمجھا اور وضاحت سے بتلا دیا کہ جو چیز معلوم نہیں اسے دریافت کر لینا ضروری ہے۔ بغیر سمجھے ہوئے فتویٰ دینا اس کا حل نہیں۔ ضرورتِ سوال کی یہی تنبیہ قرآنِ حکیم نے بھی کی ہے:

"فَسْئَلُوْٓا اَہْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ "[2]

حق کی طرف رجوع کا جذبہ:

صحابہ کرامؓ کے درمیان ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنی رائے کو حق کا آخری معیار نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی فکری دیانت اس بات کی گواہ تھی کہ جب انہیں کسی معاملے میں اپنی خطا کا احساس ہوتا یا کسی دوسرے کی رائے قرآنی و نبوی اصولوں کے قریب تر محسوس ہوتی، تو وہ فوراً اپنی سابقہ رائے سے رجوع کر لیتے۔

چند روشن مثالیں:

حضرت زید بن ثابتؓ نے طوافِ وداع سے متعلق حائضہ عورت کی معذوری کے مسئلہ میں جب حضرت ابن عباسؓ کا موقف سنا تو اسی وقت اپنی سابقہ رائے سے رجوع فرما لیا۔[3] حضرت ابوہریرہؓ نے جنابت کی حالت میں روزہ رکھنے کے جواز پر اپنی ابتدائی رائے سے رجوع کر کے حدیثِ نبویؐ کو تسلیم کیا۔[4] حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت عثمانؓ نے تجاوزِ ختانین کے بعد غسل واجب نہ ہونے کے قول سے واپسی اختیار کی جب ان کے سامنے مستند روایت آ گئی۔[5] یہ تمام واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی علمی دیانت، اخلاص اور اتباعِ حق ان کی رائے پر فوقیت رکھتی تھی۔

رائے مخالف کا وقار و احترام:

عہدِ صحابہ میں اختلافِ رائے ایک فطری اور علمی عمل سمجھا جاتا تھا، جس میں مخالف رائے کو نہ صرف سنا جاتا بلکہ اس کا احترام بھی کیا جاتا۔ چونکہ اکثر اختلافات اجتہادی اور فروعی نوعیت کے ہوتے تھے، اس لیے ہر مجتہد صحابی اپنی دلیل پر قائم رہتا، لیکن دوسروں کو باطل یا دشمن نہیں سمجھتا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوذرؓ کے درمیان بیت المال کے مصرف سے متعلق اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت ابوذرؓ نے اپنے مؤقف پر استقامت دکھائی، مگر اس اختلاف کو بنیاد بنا کر کسی فتنہ یا بدامنی کا ذریعہ نہیں بنایا۔ وہ مدینہ سے دوری کو تو برداشت کر گئے لیکن اجتماعی نظام کی مخالفت نہ کی۔[6] حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے بعض شرعی معاملات میں حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا، مگر جب حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ خلافت کا اختیار آپ کے پاس ہے، تو انہوں نے فرمایا:

"اگر میرے پاس نصِ قرآنی یا سنتِ نبویؐ کی صراحت ہوتی تو ضرور اس پر عمل کرواتا، لیکن جب معاملہ میری ذاتی رائے کا ہے تو وہ سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے"[7]

یہ اس بات کی مثال ہے کہ عہدِ صحابہ میں قیادت بھی اختلاف کو علمی انداز سے سنبھالتی تھی، اور دوسروں کی رائے کو مکالمے سے زائل کرنے کی کوشش کرتی تھی، نہ کہ زور و زبردستی سے۔ عہدِ صحابہؓ میں اختلافات نہ صرف برداشت کیے جاتے تھے بلکہ ان کو علمی ترقی، اجتہادی آزادی اور شریعت کے فہم کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ نہ تعصب کا شکار ہوئے، نہ ایک دوسرے کی نیت پر شبہ کیا، اور نہ ہی علمی اختلاف کو دشمنی یا تفرقے کی بنیاد بنایا۔ ان کا اسلوب ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اگر نیت خالص ہو، دلیل واضح ہو، اور

---

[1] سنن ابی داؤد، باب فی المجروح یتیمم، حدیث: ۳۳۶۔ تخریج ابن ماجہ، حدیث: ۵۷۲ تصحیح ابن السکن در نیل الاوطار: ۱/۳۲۳۔
[2] النحل: ۴۳
[3] مسلم، ابوالحسین بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح کتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع 3285
[4] ایضاً کتاب الصیام، باب صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر وہو جنب 2645
[5] ابن ابی شیبہ ابو بکر عبداللہ بن محمد المصنف کتاب الاطہارۃ، باب من قال اذا التقی الختنان 19
[6] ابن عبدالبر ابو عمر یوسف، بن عبداللہ الاستیعاب فی معرفۃ الصحابہ 1412 دار الجلیل، بیروت 76/1
[7] ابن قیم، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر اعلام المقعین عن رب العالمین 60/1

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مقصد رضائے الٰہی ہو، تو اختلاف، اتحاد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ فہمِ دین کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

موقع کی مناسبت سے نرمی اور سختی کا اظہار:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بنیادی مقصد حق کو تسلیم کرنا، اس کا اظہار کرنا اور اس کی اشاعت کو ممکن بنانا تھا۔ ان کے اندر خلوص نیت، دیانت اور راست گوئی پائی جاتی تھی۔ وہ نہ مداہنت کے قائل تھے اور نہ ہی بے موقع سختی کے، بلکہ حالات اور موقع و محل کی مناسبت سے اعتدال، حلم، اور حکمت کے ساتھ فیصلہ کرتے۔ وہ دلیل و فہم کے ساتھ مکالمہ کرنے والے تھے اور اختلاف کی صورت میں کبھی نرمی، تو کبھی سختی سے اصلاح کی کوشش کرتے۔ مثال کے طور پر، خلافت صدیقی کے آغاز میں جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف قتال کا اعلان کیا تو حضرت عمرؓ نے نرمی کا مشورہ دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس پر قدرے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''عمر! جاہلیت میں تو تم سخت تھے، اب نرمی اختیار کر رہے ہو؟[1] اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ نے جب یہ بیان کیا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے استفسار کیا کہ اگر کوئی گرم پانی سے وضو کرے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ یہ دراصل ایک علمی تنقید تھی، جس پر حضرت ابوہریرہؓ نے بردباری سے جواب دیا: ''بھتیجے! جب میں نبی اکرم ﷺ کی حدیث بیان کروں تو اس طرح کی مثالیں نہ دیا کرو۔''[2] حضرت ابن عمرؓ کا مؤقف تھا کہ عورت غسلِ فرض کے وقت سر کے بال کھولے، جب حضرت عائشہؓ کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''پھر وہ عورتوں کو بال منڈوانے کا ہی حکم دے دیں!''[3] اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ رضاعتِ کبیر کے قائل تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا: ''کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ داڑھی والے اب بھی دودھ پینے والے بچے ہیں؟'' حضرت ابو موسیٰ نے یہ سن کر فروتنی سے کہا: ''ابن مسعود کی موجودگی میں مجھ سے کچھ نہ پوچھا کرو۔''[4] حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے مطلقہ عورت کے نفقہ و سکنی سے متعلق بیان پر حضرت عائشہؓ نے نہایت سنجیدگی سے کہا: ''خدا سے ڈرو، یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''[5] ایک موقع پر حضرت ابوہریرہؓ ربذہ کے مقام سے گزرے جہاں کچھ حاجیوں نے ان سے سوال کیا کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی جانور کا شکار کرے تو کیا وہ ہمارے لیے حلال ہوگا؟ آپؓ نے جواب دیا: ''ہاں، وہ حلال ہے۔'' مدینہ پہنچ کر حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ''اگر یہ حکم کسی اور نے دیا ہوتا تو میں ضرور باز پرس کرتا۔''[6] اسی طرح حضرت عمرؓ نماز عصر کے بعد نفل پڑھنے سے سختی سے منع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی صحابی نے اس وقت نماز پڑھی تو حضرت عمرؓ نے اس پر سختی سے تنبیہ کی۔[7] احرام کی حالت میں جب حضرت معاویہؓ سے خوشبو کی مہک آئی تو حضرت عمرؓ نے فوراً فرمایا: ''جاؤ اور بدن کو دھو کر آؤ۔[8]

''بعض صحابہؓ نے اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کر لیا، تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا: ''ان کو طلاق دے دو[9]

حضرت کعبؓ نے حالتِ احرام میں مکڑی مارنے والے پر ایک درہم تاوان مقرر کیا، تو حضرت عمرؓ نے تبسم کے ساتھ فرمایا: ''تمہارے پاس درہم بہت ہیں، مکڑی سے تو کھجور کا ایک دانہ بہتر ہے۔''[10] ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف شریعت کے اصولوں پر مضبوطی سے قائم تھے بلکہ حالات کے تقاضے اور فہم و بصیرت کے ساتھ نرمی و سختی کا موزوں استعمال کرتے تھے۔

---

1 سیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلافاء 77
2 ترمزی، ابو عیسی محمد بن عیسی، سنن ترمزی کتاب الطہارہ باب ماجافی الوضوء مما غیرت النار 79
3 ابن ابی شیبہ ابو بکر عبداللہ بن محمد المصنف کتاب الطہارۃ باب المرۃ تغتسل استفض شعرھا 798
4 جصاص ابو بکر احمد بن علی احکام القرآن سورۃ البقرہ باب الاختلاف فی وقت الرضاع 1980
5 بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل الجعفی الجامع الصحیح کتاب الطلاق باب قصہ فاطمہ بنت قیس 5324
6 مالک بن انس الامام موطا کتاب الحج باب مایجوز للمحرم اکلہ 1989 دار الفکر بیروت 785
7 احمد بن حنبل ابو عبداللہ الامام المسند روایات عمر 107
8 نووی ابو زکریا یحیی بن شرف شرح مسلم 1/378
9 جصاص، احکام القرآن سورۃ المائدہ باب نکاح الکتابیات 324/2
10 ابن ابی شیبہ ابو بکر عبداللہ بن محمد المصنف کتاب الحج باب المحرم یقتل جرادہ 469

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

قولِ رسول ﷺ کی بالادستی اور صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل:

صحابہ کرامؓ کی حیاتِ طیبہ میں قولِ رسول ﷺ کو ایک قطعی حجت اور دین کی بنیاد کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ اس بات پر کامل یقین رکھتے تھے کہ نجات، حقانیت اور فہمِ دین کا سرچشمہ صرف اور صرف سنتِ رسول ﷺ ہے، نہ کہ کسی شخصی رائے یا اجتہاد۔ جب کبھی کسی معاملے میں قولِ رسول ﷺ موجود ہوتا، تو وہ اسے کسی کی رائے یا فتوے پر مقدم سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک بار ایک شخص کو حدیث کی روشنی میں مسئلہ سمجھایا، لیکن اُس شخص نے جواب میں حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی رائے پیش کی۔ حضرت ابن عباسؓ نے برہمی سے فرمایا کہ:

"میں تمہیں نبی کریم ﷺ کا فرمان سنا رہا ہوں، اور تم اس کے مقابلے میں کسی اور کی بات پیش کرتے ہو؟"[1]

یہ طرزِ عمل اس حقیقت کی دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک کسی بھی بڑے سے بڑے صحابی کے قول پر مقدم اور فیصلہ کن ہوتا تھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنی بیویوں کو مسجد جانے سے نہ روکیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ لیکن جب ایک بیٹے نے انکار کیا تو حضرت ابن عمرؓ کو سخت رنج پہنچا۔ انہوں نے فرمایا:

"میں تمہیں نبی کریم ﷺ کا فرمان سنا رہا ہوں اور تم اپنی رائے کو مقدم کر رہے ہو؟" پھر وہ شدتِ جذبات سے روتے ہوئے باہر نکل گئے"[2]

اختلاف میں ادب، تہذیب اور شائستگی:

صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اگرچہ وہ دین کے فہم و تطبیق میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے، لیکن ان کے اختلافات میں ذاتی عناد، الزام تراشی یا تحقیر شامل نہ تھی۔ وہ اختلاف کو علمی بنیادوں پر رکھتے تھے اور باہمی محبت و احترام کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان وراثتِ نبوی کے مسئلہ پر اختلاف ہوا، لیکن حضرت علیؓ خلافتِ صدیقی کے دوران بطور مشیر شریک رہے اور خلوص کے ساتھ خیر خواہی کرتے رہے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی حضرت علیؓ کی اہلِ بیت سے قرابت کو نہایت عزت و شرف سے یاد کرتے تھے۔[3] حضرت عثمانؓ کے دور میں حضرت علیؓ سے بعض معاملات میں اختلاف ہوا، لیکن حضرت علیؓ نے امت کو اس اختلاف کو ہوا دینے سے روکا اور فرمایا کہ ہم قیامت کے دن بھائیوں کی مانند ملیں گے، تم ان مسائل کو فساد کا ذریعہ نہ بناؤ[4]

مدمقابل شخصیت کا احترام

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں جرم سے نفرت کی تعلیم دی گئی ہے، مجرم سے نہیں۔ کسی شخص کی رائے یا عمل سے اختلاف کرنا ایک علمی و شرعی رویہ ہے، لیکن اُس کی شخصیت پر حملہ کرنا، تذلیل کرنا یا نفرت کا اظہار کرنا اسلامی مزاج کے سراسر خلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جب ایک عورت چوری کے الزام میں پکڑی گئی، اور سفارش کی گئی تو آپ نے سختی سے انکار فرمایا اور عدل کے مطابق سزا دی، لیکن بعد ازاں اُس کی کفالت و مدد کا اہتمام بھی فرمایا۔ اسی طرح ایک صحابی کو شراب نوشی پر بار بار سزا ملی۔ جب کسی نے اُس کے بارے میں منفی ریمارکس دیے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔"[5] یہ طرزِ عمل ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ظاہری لغزشوں کے باوجود کسی مؤمن کی نیت، محبت اور باطنی خیر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

---

1 ابن تیمیہ ابو العباس احمد بن عبد الحلیم مجموع الفتوی 1398 دار العربیہ بیروت 251/20
2 عبد الرزاق المصنف کتاب الصلواہ باب الشھود النسآء الجماعہ 5108
3 مسلم ابو الحسین بن حجاج القشیری الجامع الصحیح کتاب الجہاد باب قول النبی لانورث 4684،، 4660
4 طبری ابو جعفر محمد بن جریر جامع البیان فی تاویل القران 109/17
5 بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل الجعفی الجامع الصحیح کتاب الحدود باب مایکرہ من لعن شارب الخمر 6398

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اجتہادِ صحابہ اور اس کے اثرات:

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے حالات و ضروریات کے مطابق اجتہادی آراء پیش کیں۔ وہ جب کسی نص صریح کو نہ پاتے، تو کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی رائے قائم کرتے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اجتہاد کو دوسروں پر تھوپتے نہ تھے، اور ہمیشہ اپنی رائے کو حق کا ہم معنی نہیں سمجھتے تھے۔ جنگِ جمل کا واقعہ اس کی نمایاں مثال ہے، جب حضرت عائشہؓ بصرہ تشریف لے گئیں اور حضرت علیؓ نے اپنی جانب سے حضرت حسنؓ و حضرت عمارؓ کو بھیج کر اعلان کروایا کہ:

"حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں، ان کا احترام لازم ہے۔ یہ ایک آزمائش ہے کہ تم اللہ کی اطاعت کرتے ہو یا کسی اور کی"[1]

نجات یافتہ گروہ اور ہماری ذمہ داری:

صحابہ کرامؓ نے ہمیں یہ سبق دیا کہ حق بات کہنے میں تردد نہ ہو، لیکن اختلاف رائے کو انتقامی رویہ یا نفرت و تحقیر میں نہ بدلا جائے۔ ان کا مقصد صرف اللہ کی رضا اور اسلام کی سربلندی تھا، نہ کہ ذاتی جیت یا ہار۔ افسوس! آج ہمارا حال یہ ہے کہ محبتِ صحابہؓ کا دعویٰ کرتے ہوئے ہم اُنہی کے اسلوبِ اختلاف، بردباری، حلم اور رواداری سے یکسر محروم ہیں۔ ہمارا قول و فعل تضاد کا شکار ہے، اور ہم مذہبی اختلافات کو باہمی عداوت میں بدلنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا[2]

حضرات صحابہ اس ایت مبارکہ کی عملی تفسیر تھے۔ دورِ نبوت کے بعد صحابۂ کرامؓ کے مابین جو اولین اختلاف رونما ہوا، وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بارے میں تھا۔ جب آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر حضرت عمرؓ تک پہنچی تو ان کے دل نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا گمان تھا کہ یہ منافقین کی افواہ ہے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کو موت کیسے آسکتی ہے؟ شدت جذبات میں آکر انہوں نے تلوار نکال لی اور اعلان کیا کہ اگر کسی نے محمد ﷺ کی وفات کی بات کی تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اسی اثناء میں حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے اور نہایت حکمت و تدبر سے صحابہ کو خطاب کیا۔ انہوں نے سورۃ آل عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

"وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِيْن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ"

(محمد ﷺ تو ایک رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم اپنے پچھلے دین کی طرف لوٹ جاؤ گے؟)

یہ آیت سن کر حضرت عمرؓ کی کیفیت بدل گئی، ان کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا یقین ہو گیا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی تدفین کے بارے میں بھی اختلاف پیدا ہوا۔ بعض صحابہؓ کی رائے تھی کہ آپ ﷺ کو مسجد نبوی میں دفن کیا جائے، کچھ کی رائے تھی کہ بقیع میں، جبکہ بعض حضرات کا اصرار تھا کہ آپ ﷺ کو اپنے گھر میں دفن کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس وقت نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد یاد دلایا کہ:

"ہر نبی کو وہیں دفن کیا جاتا ہے جہاں وہ وفات پائے"

یہ فرمان سنتے ہی تمام آراء متفق ہو گئیں اور نبی کریم ﷺ کو آپ کے گھر ہی میں دفن کیا گیا۔

خلافت، زکوۃ اور فکری اختلافات:

رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے اہم مسئلہ خلافت کا تھا، جو نہایت حساس اور نازک نوعیت کا تھا۔ مہاجرین و انصار کے مابین اس بارے میں مختلف آراء سامنے آئیں، لیکن جس خیر سگالی، تدبر اور باہمی مشورے سے اس مسئلے کو حل کیا گیا، وہ تاریخ انسانیت میں ایک نادر مثال ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کا خلیفہ منتخب ہونا محض اتفاق نہیں تھا بلکہ عقل و شعور اور ایمان افروز اجتماعیت کا بہترین مظہر تھا۔ اسی طرح مانعینِ زکوۃ کے بارے میں بھی اختلاف سامنے آیا۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ان سے نرمی کا برتاؤ کیا جائے، مگر حضرت ابو بکرؓ نے نہایت دلائل سے، قرآن و سنت کی روشنی میں اپنی بات رکھی کہ زکوۃ ادا نہ کرنے والے دراصل دین کے بنیادی رکن کا انکار کر رہے ہیں۔ ان کی استقامت، بصیرت اور دین فہمی نے حضرت عمرؓ کو قائل کر لیا اور یوں اختلاف ختم ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان مختلف اجتہادی مسائل میں تقریباً سینتیس

[1] بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل الجعفی الجامع الصحیح کتاب فضائل صحابہ باب فضل عائشہ 3772

[2] الأنفال:46

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

بار اختلاف ہوا، بعض اوقات دونوں اپنی اپنی رائے پر قائم بھی رہے، مگر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے جو احترام، اعتماد اور اخوت تھی وہ کبھی متزلزل نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات کے وقت خلافت کے لیے حضرت عمرؓ کو نامزد فرمایا اور فرمایا:

"میں اللہ کے حضور یہی کہوں گا کہ میں نے آپ کی مخلوق پر ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جو آپ کی مخلوق میں سب سے بہتر تھا"

یہ حسنِ ظن اور وسعتِ قلبی صرف صحابۂ کرامؓ کا خاصہ تھا۔

علمی اختلاف اور اخلاقی بلندی:

فقہی و اجتہادی اختلافات بھی صحابہؓ میں موجود تھے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے درمیان کئی مسائل پر شدید علمی اختلاف تھا، مگر ان کے باہمی اخلاق و آداب کی مثالیں ناقابلِ فراموش ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ جب حضرت زید بن ثابتؓ کو سوار دیکھتے تو ان کی رکاب تھام کر ساتھ چلنے لگتے۔ حضرت زیدؓ حیرت سے کہتے: "اے ابن عمِ رسول! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟" حضرت ابن عباسؓ فرماتے: "ہمیں اپنے علم و فضل رکھنے والوں کی یہی عزت کرنی چاہیے۔" تو حضرت زیدؓ بھی محبت کا اظہار کرتے ہوئے ان کا ہاتھ چوم لیتے اور کہتے: "ہمیں آلِ رسول کی یہی توقیر کرنی چاہیے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان بھی تقریباً سو مسائل میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ ان کے بارے میں فرماتے تھے:

"یہ ایسا ظرف ہے جو علم و فقہ سے لبریز ہے، اور اہلِ قادسیہ بھی اس کی قدر کرتے ہیں"

اور حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمرؓ کی وفات پر اس قدر غمگیں ہوئے کہ آپ کے آنسو کنکریوں کو بھگو گئے اور فرمایا:

"عمرؓ اسلام کا قلعہ تھے، جب وہ زندہ تھے تو کوئی اس میں داخل ہو کر نکل نہیں سکتا تھا۔ اب وہ قلعہ منہدم ہو چکا"

ائمہ مجتہدین کا نمونہ:

صحابہ کے بعد فقہی ائمہ نے بھی اختلافات میں رواداری اور وسعتِ نظری کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ بسم اللہ باآواز بلند پڑھنے کے قائل تھے، جب کہ امام مالکؒ نہیں پڑھتے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کر لیتے تھے۔ امام ابو یوسفؒ نے خلیفہ ہارون الرشید کے پیچھے نماز ادا کی، حالانکہ ہارون الرشید نے پچھنے لگوانے کے بعد وضو نہیں کیا تھا، کیونکہ ان کے نزدیک یہ ناقضِ وضو میں شامل نہ تھا۔ امام شافعیؒ نے جب امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر نماز ادا کی تو ان کے احترام میں دعائے قنوت ترک کر دی، حالانکہ وہ ان کے نزدیک سنت مؤکدہ تھی۔ یہ تمام واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ اختلاف اگر اخلاص، علم اور ادب کے دائرے میں ہو تو وہ نہ صرف اتحاد کو مجروح نہیں کرتا، بلکہ امت کے فکری تنوع اور بصیرت میں اضافہ کرتا ہے۔

اختلاف کیوجہ سے افتراق نہیں ہوتا تھا:

عہدِ صحابہؓ کی پوری تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ اختلافِ رائے نہ صرف ایک فطری امر ہے بلکہ امت کی فکری ترقی اور وسعتِ شعور کے لیے لازم ہے۔ اگر ان اختلافات کو آداب کے دائرے میں رکھا جائے، اور ان میں حسنِ ظن، اخلاص، محبت، اور علمی دیانت داری کو ملحوظ رکھا جائے، تو یہی اختلاف ملت اسلامیہ کے لیے خیر کا سرچشمہ بن سکتا ہے۔ آج کے دور میں جب امت مسلمہ فروعی مسائل میں بٹ چکی ہے، تو صحابہ کرامؓ کے اس اسوہ سے روشنی لینے کی اشد ضرورت ہے تاکہ ہم اختلاف کو افتراق نہ بننے دیں بلکہ اسے وحدت کے آداب میں ڈھال سکیں۔

عہدِ صحابہؓ میں اختلاف کا مہذب اسلوب اور عصرِ حاضر کے لیے رہنما اصول:

صحابۂ کرامؓ کا دور اسلامی تہذیب و تشریع کی بنیاد رکھنے والا ایک مثالی دور تھا، جہاں اجتہادی بصیرت، علمی گہرائی اور عملی حکمت کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ اگرچہ اس عہد میں مختلف امور پر آراء کا تنوع موجود تھا، مگر ان اختلافات کا اظہار انتہائی باوقار، نیت میں اخلاص اور مقصد میں یکسانی کے ساتھ ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اختلافات تفرقہ نہیں بنے بلکہ امت کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ ٹھہرے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کے تعین، مانعینِ زکوٰۃ سے نمٹنے، اور دیگر اہم فقہی و انتظامی امور میں صحابہؓ کے مابین اختلافات سامنے آئے، مگر ان میں کہیں بھی ذاتی انا، تحقیر یا نفرت کا عنصر نہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے عظیم صحابہؓ کے درمیان متعدد اجتہادی اختلافات کے باوجود باہمی اعتماد، اخوت اور احترام کا جو ماحول قائم رہا، وہ آج بھی امت کے لیے ایک نمونہ ہے۔ فقہی معاملات میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

حضرت زید بن ثابتؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ کی آراء مختلف ہو سکتی تھیں، لیکن ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے جو عزت و وقار تھا، اس نے علمی تنوع کو انتشار میں بدلنے سے روکے رکھا۔ اس اسلوب نے امت کو یہ پیغام دیا کہ اختلاف، اگر علم، حلم اور اخلاص کے دائرے میں ہو، تو وہ بگاڑ نہیں بلکہ تعمیر کی علامت بن جاتا ہے۔ یہی اخلاقی وراثت بعد ازاں ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء کے درمیان بھی نظر آئی، جنہوں نے شدید علمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کا احترام قائم رکھا، حتیٰ کہ ایک دوسرے کی امامت میں نماز ادا کی اور بعض مواقع پر اپنی رائے کو بھی ترک کیا تاکہ اتحاد و اخوت کی فضا مجروح نہ ہو۔ آج کے منتشر اور شدت زدہ دور میں، جب معمولی اختلافات بھی فتنہ، دشمنی اور سوشل میڈیا کی جنگوں کا سبب بن جاتے ہیں، صحابۂ کرامؓ کا اسلوب ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ وہ ہمیں سکھاتا ہے کہ علمی اختلافات فطری ہیں اور فکری نشوونما کی علامت ہیں، بشرطیکہ ان میں خلوصِ نیت، حسنِ اخلاق، وسعتِ ظرف اور مقصد کا اتحاد موجود ہو۔ امتِ مسلمہ کے لیے وقت کا سب سے بڑا تقاضا یہی ہے کہ وہ صحابہؓ کے اس اسوہ سے سیکھے، اور اختلاف کو فتنہ کے بجائے فہم، تربیت اور ترقی کا وسیلہ بنائے۔ اسی روشنی میں آج کے فکری و فقہی تنازعات کا مہذب حل نکل سکتا ہے، اور ایک ایسی ملت تشکیل پا سکتی ہے جو علم، عدل، حلم اور اتحاد کی بنیاد پر استوار ہو۔

خلاصہ تحقیق:

زیرِ نظر مقالے میں ہم نے عہدِ صحابہؓ میں اختلافات کے اسلوب و آداب کا تفصیلی جائزہ لیا۔ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے مابین اجتہادی مسائل پر اختلاف رائے ایک فطری امر تھا، لیکن ان کے طرزِ تعامل میں باہمی احترام، حسنِ ظن، اور اخلاص نمایاں تھا۔ انہوں نے اختلافات کو نفرت، طعن و تشنیع، یا گروہی تقسیم کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ فہمِ دین کو وسعت دینے اور حق تک رسائی کا ذریعہ سمجھا۔ ان کے طرزِ عمل میں علمی مکالمہ، دلیل کی بنیاد پر رائے کا اظہار، اور مخالف رائے کو برداشت کرنا نمایاں تھا۔ یہ طرزِ عمل امتِ مسلمہ کے لیے ایک مثالی ماڈل پیش کرتا ہے کہ کس طرح فکری تنوع کے ساتھ دینی وحدت کو قائم رکھا جا سکتا ہے۔

تجاویز و سفارشات

1. جدید علمی و دینی اداروں میں عہدِ صحابہؓ کے آدابِ اختلاف کو نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ نئی نسل اس عظیم ورثے سے واقف ہو سکے۔
2. خطبہ جمعہ، دروس، اور تربیتی نشستوں میں اختلاف کے شرعی اصولوں پر روشنی ڈالی جائے تاکہ فکری شدت پسندی کا سدباب ہو۔
3. مساجد، مدارس، اور جامعات میں مکالمے کے کلچر کو فروغ دیا جائے اور اس کے لیے صحابہ کرامؓ کی سیرت کو بطورِ نمونہ پیش کیا جائے۔
4. سوشل میڈیا اور عوامی خطابات میں مخالف رائے رکھنے والوں کے ساتھ شائستگی، نرمی، اور رواداری کو اپنایا جائے۔
5. علمائے کرام اور دینی رہنماؤں کے لیے خصوصی تربیتی ورکشاپس منعقد کی جائیں جن میں اختلافِ رائے کے آداب اور اس کے عملی تقاضے سکھائے جائیں۔